



ارشاد نبوی

فتنوں اور آفتوں کا دور

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مالِ غنیمت کو ذاتی مال بنا لیا جائے گا اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے گا اور علم غیر دین کے لیے حاصل کیا جائے گا، اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا۔ اور والدہ کی نافرمانی۔ اور دوست کو قریب کرے گا اور والد کو دُور ہٹائے گا ——— اور مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی، اور قبیلہ کا سردار ان کا فاسق ہوگا۔ اور قوم کا وڈیرا ان کا کمینہ اور گھٹیا آدمی ہوگا ——— اور آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے گی ———

——— گانے والیاں اور آلات لہو ولعب (باجے گاجے) بہت ہو جائیں گے ——— شرابیں پی جائیں گی ——— اس امت کے آخر میں آنیوالے پہلوں پر لعن طعن کریں گے۔ سو ایسے وقت تم سرخ ہوا کے چلنے۔ زلزلہ کے آنے زمین میں دھنسائے جانے شکلوں کے بگاڑے جانے اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا انتظار کرو۔ (اسکے علاوہ) اور بہت سی مسلسل نشانیاں ایسے آئینگی جیسے ہار کا دھاگا ٹوٹنے کے بعد موتی لگاتار گرتے ہیں

۱۰ محرم ۲۱۶۸۵

دو روپے

نقطۂ نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان

جلد ۳۱ ★ شمارہ ۳۳

— بیاد —

جانشین شیخ التفسیرؒ امام الہدیٰ حضرت

مولانا عبید اللہ انور نور اللہ مرقدہٗ

— رئیس الادارہ —

حضرت مولانا محمد اجمل قادری مدظلہ العالی

مجلس ادارت

عبدالرشید انصاری

ظہیر میر ایڈووکیٹ

انتظار حسین اسعد قادری

فی کاپی : ۲/- روپے

— چندہ سالانہ —

سالانہ -/۸۰ روپے

ششماہی -/۴۵ روپے

۷ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

اچھا فیصلہ

غیر شرعی حرکات سے لوگوں کو روکنے کے لئے علماء کرام محکمہ اوقاف سے تعاون کریں۔

صوباتی سیکرٹری اوقاف کی جانب سے ڈویژنل کمشنروں اور ضلعی کمشنروں کے نام ایک مراسلہ میں کہا گیا ہے کہ وہ پولیس کو ہدایت کریں کہ وہ عرسوں کے مواقع پر غیر شرعی حرکات کا سدِّ باب کرے۔

ہماری ہمیشہ سے یہ رائے رہی ہے کہ بزرگانِ دین اور اولیاء کرام امت کی برگزیدہ ہستیاں ہیں' ان کی زندگیاں مسلسل جہاد سے عبارت تھیں؛ وہ احکام الٰہی اور تعلیماتِ نبوی کی تبلیغ و اشاعت میں ہمیشہ منہمک رہے۔ انہوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور بلندیٔ کردار سے انسانی معاشرہ میں انقلاب برپا کیئے اور گم کردہ راہ غفلت شعاروں کو باعمل، اچھے اور کھرے مثالی مسلمان بنا دیا۔ چونکہ ان کی پاک زندگیاں ہدایت کی روشن قندیلیں اور مخلوق الٰہی کے لئے روشنی کے میناروں کی حیثیت رکھتی ہیں اس لئے ابلیسی قوتوں نے ان بزرگوں سے عامۃ المسلمین کی محبت و عقیدت ہی کو اپنی دسیسہ کاریوں کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا۔ "نتیجتہً" جیسے امم سابقہ نے اپنے اپنے عہد کے پیغمبروں کی تعلیمات کو بدل دیا تھا اور عرفانِ حق کی حقیقت کبریٰ انسان کی فکری اختراعات و توہمات کے پردوں کے پیچھے چھپ کے رہ گئی تھی بعینہٖ وارثانِ انبیاء علماءِ ربانیین

ناشر، میاں محمد اجمل قادری، اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور، مطبع شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

درسِ حدیث

مولانا حمید الرحمٰن عباسی صاحب

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهٗ مُؤْنَةً" (رواهما البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم مشقت ہو (ان دونوں حدیثوں کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

ربط: پہلی احادیث میں حکم نکاح، اس کی ترغیب اور نوعیت بیان ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں نکاح کے سلسلہ میں زیادہ تکلفات سے بچنے کی ترغیب ہے۔

تشریح: نکاح سے مقصود دنیاوی اور اُخروی برکات ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ برکات اس وقت حاصل ہوں گی جب مشقت کم ہو یعنی مہر کم ہو، عورت کے بقیہ اخراجات کم ہوں اور زیادہ جہیز وغیرہ نہ ہو اور اگر یہ چیزیں زیادہ ہوں گی تو نکاح کی برکات کم ہوں گی۔

باب

یہ باب ہے اپنی منگیتر اور دوسرے کا ستر دیکھنے کے بیان میں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِيْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر کہا اس نے، میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے دیکھو کیونکہ انصاری کی آنکھ میں کچھ چیز ہے (اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے)

ربط: اس حدیث پاک کا ربط پہلی احادیث کے ساتھ یہ ہے کہ پہلی احادیث میں نکاح کے سلسلہ میں دیندار عورت سے نکاح کی ترغیب تھی اور اس حدیث میں ذاتی لحاظ سے بھی اچھی عورت سے نکاح کی ترغیب ہے کیونکہ ذاتی لحاظ سے اگر میاں بیوی میں مطابقت نہیں ہوگی تو آپس میں دنگا فساد کریں گے یہ شادی دیرپا نہیں رہے گی۔

تشریح: اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شادی کرتے وقت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا کرتے تھے اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کے وقت کسی صحیح جانشینِ رسولؐ سے مشورہ کر لینا چاہیئے۔

اس حدیث سے دوسرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی منگیتر کو دیکھنا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ کوئی عورت مرد کی طرف سے جا کر لڑکی دیکھے اگر کوئی ایسی عورت نہ ہو تو مرد خود جس سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے دیکھ سکتا ہے۔ نیز اگر کوئی ایسی عورت موجود ہو تب بھی منگیتر کو دیکھنا جائز ہے۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَاَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا (رواه احمد والترمذي والنسائي و ابن ماجه والدارمي)

ترجمہ: نقل ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تُو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا۔ اسے دیکھ لو، یہ زیادہ لائق ہے۔ کہ

اور اولیاء امت کی تجدید و احیاء دین کی مساعی جمیلہ اور قلب ونظر کو جلا بخشنے والی تعلیمات کو ان کے خوش عقیدہ اور بے علم پیروکاروں نے یکسر بدل دیا۔ آج تاج الاولیاء حضرت سید علی ہجویریؒ، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر بزرگانِ دین کے نام پر ان سے محبت کے دعویدار جو کچھ کرتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ کل قیامت کے روز رب ذوالجلال والاکرام کی عدالت عظمیٰ میں اگر ان سے سوال ہو گیا کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کیا ان رسومات و بدعات کی ایجاد اور ان پر عمل کرنے کا تم نے لوگوں کو حکم دیا تھا تو وہ سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی زبان میں اظہار عجز و برأت کرتے ہوئے پکار اٹھیں گے۔ "سُبْحٰنَكَ ... الخ" اے رب العزت! تیری ذات ستودہ صفات ہر عیب سے پاک ہے مجھے لائق ہی نہ تھا کہ ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے ضرور معلوم ہوگا (کہنا تو درکنار! مجھے معلوم ہے کہ میرے دل میں بھی ایسی بات کا کانٹا نہیں اگا۔ اس لئے کہ) جو میرے دل میں ہے وہ تو جانتا ہے اور جو تیرے علم میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی غیب کی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ اے ارحم الراحمین! میں نے اپنے متبعین سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ "اللہ" کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی"۔ (مائدہ)

آج بزرگانِ دین کے مزارات پر ان کے نام پر خصوصاً ان حضرات کے عرسوں کے موقع پر اوباش اور شکم پرور، دین سے جاہل اور آخرت سے بے خوف اخلاق باختہ عناصر جو افعال قبیحہ اور رسوماتِ ضالہ جائز و جاری رکھتے ہیں نہ وہ اللہ والوں کی تعلیمات ہیں اور نہ ان کا شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق ہے۔ آخر ڈھول بجانا اور ڈھول کی تھاپ پر ناچنا کس فقہ کا مسئلہ ہے؟ چادریں پکڑ کر کوچہ و بازار میں بھیک مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کیوں نہیں؟ کیا کبھی کسی نے اس معاملے کی تحقیق کی ہے کہ یہ نذر و نیاز کے لیے مانگی گئی بھیک اور ہزاروں چمکتی ہوئی چادریں مزار پر پہنچنے کے بعد جاتی کہاں ہیں۔؟ وہ موٹی توندوں والے یتامیٰ اور مساکین کون ہیں جو اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے اور جاہلوں کا چوہدری بننے کے لئے بزرگانِ دین کے نام پر خلقِ خدا کو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے تباہ کر رہے ہیں۔

محکمہ اوقاف نے غیر شرعی حرکات کو روکنے کے احکامات جاری کر کے بالکل درست اقدام کیا ہے (۱) ڈھول بجانا (۲) ڈھول کی تھاپ پر دھمال اور ناچنا (۳) لڈی ڈانس (۴) منشیات کا استعمال (۵) سرکس لگانا (۶) موت کا کنواں (۷) ڈھول بجاتے ہوئے مزار کے لئے چادر لے جانا (۸) مصنوعی داڑھی لگانا۔ (۹) عورتوں مردوں کا اختلاط صرف یہی نہیں اصل برائی وہ عناصر ہیں جو جلب منفعت کے لئے ان چیزوں کو رواج دیتے ہیں اور بغیر محنت کئے مذہبی لوٹ کھسوٹ کے مال پر گلچھرے اڑانے کے وہ عادی ہو چکے ہیں۔ یہ عناصر محکمہ اوقاف کے احکامات کو ناکام بنانے ان پر عملدر آمد روکنے کی پوری کوشش کریں گے اور رشوت خور حکام ان کی پشت پر ہوں گے مگر ہم بلا تفریق مکتب فکر تمام علماء

(باقی ۸ پر)

ضبط و ترتیب: فتح محمد قریشی ...... پیش کش: ندیم احمد القاسمی

سُبْحٰنَ الَّذِیْ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل

مورخہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۳-۱-۲۷

درس القرآن الحکیم

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا (۳۰)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔

اس سے ماقبل یہ تعلیم دی گئی تھی کہ بے حد کنجوس بھی نہ ہو اور فضول خرچ بھی نہ ہو۔ اس آیت میں فرماتے ہیں اگر تم سمجھتے ہو کہ بخیلی کر کے مال و جائیداد جمع کر لو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اسی طرح اگر یہ خیال کرتے ہو کہ بجا خرچ کرنے سے تنگ دست ہو جاؤ گے۔ یہ تمہارے بس میں نہیں کیونکہ رزق کی کشادگی و تنگی کا اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسے دینا چاہیے اور کسے محروم رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ ہر چیز کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا بھی ہے۔

مثال: کئی ظالم بد دیانت ٹھیکیدار غریبوں کے حق چھین لیتے ہیں جس سے سمجھتے ہیں مال دار بن جائیں گے۔ آخر ایسا بیڑا غرق ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا بھیک میں بھی دینے والا نہیں ملتا۔ یہاں مجسٹریٹ میں تو جھوٹی گواہی و مقدمہ سے دوسرے کا مال ہڑپ کر سکتا ہے اور قانوناً مالک ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھٹکارا نہیں ملے گا کیونکہ یہاں کا جج اندھا ہے اور وہاں کا جج بینا ہے۔ مظلوموں کی آہیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ وہ ضرور گرفت کرتا ہے لیکن تھوڑی سی مہلت کے بعد تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

آج کے مسلمانوں میں آسودہ حالی کے بجائے بدحالی تباہ کاری کیوں ہے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ اس بدحالی کا سبب آپس میں لوٹ کھسوٹ اور بے جا مقامات پر اسراف ہے۔ آج کے شہری صاحبِ جائیداد بہنوں کو حصہ نہیں دیتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کا حصہ مقرر کیا ہے۔ لوگو اپنی اس طرزِ معاشرت کو بدلنے کی کوشش کرو۔ کسی قوم کی حالت اس وقت تک بدلی نہیں جاتی جب تک وہ خود نہ بدلنا چاہے۔

یاد رکھو! جو قوم اپنی مدہوشی میں عروج کو پہنچ جاتی ہے اور اپنی تبدیلی کی فکر نہیں کرتی ہے یا دنیا میں ذلیل و رسوا ہو کر پیچھے آنے والوں کے لیے مقام عبرت بنا دی جاتی ہے یا صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے۔ امیر امان اللہ کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ ایک سال کس شان سے محوِ سفر تھا اور دوسرے سال سامان اٹھانے کے لیے قلی تک نہیں ملتا تھا۔

انسان میں مدہوشی کبھی تمکان کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی روحانیت:

(باقی ۲۶ پر)

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب
ندیم احمد القاسمی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلم اخلاق و حکمت بن کر تشریف لائے

علم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کچھ اور نہیں ہونا چاہیے
نبی رحمت کا علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب اطہر پر نازل کیا

جانشین امام الہند حضرت مولانا محمد اجمل قادری

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ
وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا
صدق اللہ العظیم
وصدق رسولہ الکریم

محترم حاضرین! حق جل مجدہٗ نے جس وقت دنیا کی تخلیق فرمائی اور انسانیت کو وجود بخشا اسی وقت سے اس کی بقا اور ارتقاء کی خاطر علم کو ضروری امر قرار دیا ہے اور اسی دولتِ علم کے سبب اسے دوسری مخلوقوں سے ممتاز کر کے اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا ہے۔ چنانچہ غور فرمائیں اللہ تبارک تعالیٰ نے جس وقت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اسی وقت انہیں بطور عطا اپنی طرف سے بہت سی چیزوں کا علم عطا فرما کر فرشتوں سے موازنہ کرایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اور سکھلائے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام پھر پیش کیا، ان کو فرشتوں پر پس فرمایا بتلاؤ مجھے ان چیزوں کے نام اگر تم سچے ہو۔

اس موازنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فوقیت کا اعزاز بخشا۔ اسی طرح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی ہی وحی میں علم کو احسانِ عظیم کے طور پر شمار کرایا اور اپنی معرفت تک پہنچنے کے لیے علم کو راستہ اور طریقہ بتلایا۔ ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

یعنی اس رب کریم کے نام سے پڑھیے جس نے انسانوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر شاہراہ علم و معرفت پر گامزن فرمایا اور ایسی باتیں بتلائیں جن کو وہ قطعاً نہیں جانتا تھا۔

اسی طرح ایک جگہ عالم اور جاہل کے درمیان تقابلی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

کیا وہ لوگ جو علم سے بہرہ ور ہیں اور وہ لوگ جو علم سے کورے ہیں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں)

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ

بے شک ان باتوں سے وہی لوگ نصیحت حاصل کریں گے جو عقلمند ہیں

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں انسان اور پوری نسلِ انسانی میں سید الانبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل اور بعد از خدا بزرگ و برتر ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولتِ علم میں سے بھی اتنا وافر حصہ عطا فرمایا ہے کہ جتنا کسی اور کو نہیں دیا گیا۔

محترم حاضرین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علم عطا فرمایا تھا وہ علم عطائی تھا۔ آپ نے کسی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ کسی استاذ کے آگے زانو تلمذ طے کیے تھے بلکہ آپ کا علم وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم

خاص میں سے بغیر کسی واسطے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر اتارا تھا اور آپ کے سینے کو اس علم کا متحمل اور قابل بنانے کے لیے بچپن ہی میں حضرت جبرائیلؑ کے ہاتھوں شق صدر کرا کے کوثر و تسنیم سے دھلوا دیا تھا تاکہ جو علوم و معارف نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد آپ کو دیے جائیں گے ان کے ضبط کی صلاحیت و استطاعت پہلے ہی پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی ظاہری طور پر تحصیل علم کے فرماتے ہیں اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا کہ میں تمہاری طرف معلم اور استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں جس طرح ایک استاذ طالب علم کو پڑھاتا ہے اخلاق و کردار کا نمونہ بناتا ہے۔ سیرت سازی کرتا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں پڑھاؤں گا۔ شریعت کے اسرار و رموز سکھلاؤں گا علوم و معرفت سے مزین کروں گا۔ خدا کے عذاب سے ڈرا کر اور اس کی جنت کی بشارت سنا کر تمہیں آئندہ نسلوں کے لیے مقتدیٰ و پیشوا بناؤں گا تاکہ تم اس سلسلے کو آگے بڑھاؤ کیونکہ نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہو گا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔ یہ تبلیغِ علم اور تعلیم و تعلم کا فریضہ تمہیں ہی نبھانا ہے۔

محترم حاضرین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے حصول کی طرف بہت زیادہ رغبت دلائی ہے اور ایک حد تک اسے فرض اور ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

اور اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی صراحت فرما دی کہ علم کسے کہتے ہیں۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے علم کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ علم الادیان
۲۔ علم الابدان

اس کے علاوہ جو بھی علوم کہے جاتے ہیں وہ درحقیقت علوم نہیں فنون ہیں کیونکہ تحصیل علم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا اور اس کے ذریعہ سے جملہ بنی نوع انسان کو خدا سے قریب تر کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم کی افادیت ہمہ گیر ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں فن سے جزوی و فروعی منفعت کا ضامن ہوتا ہے اور صرف دولت اور دنیا کمانے اور پیٹ پالنے کی حد تک محدود و مقصود ہوتا ہے۔ علم اور فن میں یہی فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف علم الادیان اور علم الابدان کو علوم کے اندر شمار کیا ہے۔ باقی کے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ یہ فنون ہیں۔

۱۔ علم الادیان: یعنی دین اسلام کا علم قرآن و حدیث اور شعائر اللہ کا علم مامورات و منہیات رب العلمین کا علم۔

۲۔ علم الابدان۔ جسموں کا علم یعنی علم طب۔ چونکہ ان دونوں علموں کی افادیت ہمہ گیر ہوتی ہے اور ان دونوں کے اندر مقصدِ تخلیق آدم کی طرف راہنمائی کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کے لیے فلاح و بھلائی مضمر ہوتی ہے، اسی وجہ سے یہ علوم میں شمار ہوئے۔ چنانچہ ایک عالم صرف اسی لیے دین کا علم اور قرآن و حدیث کی معرفت حاصل کرتا ہے تاکہ خدا کا دین دنیا میں پھیلائے اور لوگوں کو ایک معبود کی طرف بلائے۔ انہیں اپنے رب کے احکامات سنائے اور منہیات سے اجتناب کی تلقین کرے۔ روحانی بیماریوں کی نشاندہی کرے اور ان سے نجات کا طریقہ سکھلائے۔ غرضیکہ مخلوق خدا کو غیر اللہ سے ہٹا کر ایک معبود کے آگے جھکا دے۔ اسی طرح ایک ماہرِ طب کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کی جسمانی بیماریوں کی جانچ پڑتال کرے اور انہیں صحت و تندرستی کے آداب سکھلائے تاکہ اپنے پروردگار کے احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کا ضعف اور کمزوری محسوس نہ کرے بلکہ ہر عبادت و طاعت کے لیے ہمہ وقت و ہر لمحہ کمربستہ اور مستعد رہے۔ چونکہ صرف انہیں دو نوں علموں میں ہمہ گیری پائی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ تخلیق بنی آدم کا مقصد بھی معدوم نہیں ہوتا اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علم فرمایا ہے۔

محترم حاضرین و محترمہ خواتین!

تخلیقِ بنی آدم کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ صرف اپنے رب کی عبادت کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

کہ میں نے جنّاتوں کو اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

لہٰذا جس کوشش اور محنت کے اندر اس مقصدِ اصلی کی طرف دعوت و پکار پائی جائے گی وہی درحقیقت علم ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنی کوششیں اور محنتیں ہیں سب فن میں شمار ہوں گی۔ آج کل کے کالج اور یونیورسٹیوں کی تعلیم یہ سب فنون کے اندر شمار ہوں گی کیونکہ ان میں ہمہ گیریت اور مقصدِ تخلیق کی طرف دعوت مفقود ہوتی ہے۔ ان تمام کا مقصد دنیا کمانا یا جزوی و فردی انسانیت کے لیے نفع کا موجب بننا ہوتا ہے۔

لیکن رونا اس بات کا ہے کہ آج کل ان دونوں علوم کے طالب بھی انہیں علم سمجھ کر حاصل نہیں کرتے بلکہ بطورِ فن سیکھتے ہیں اور پیٹ پالنے اور مالی منفعت حاصل کرنے کے لیے عمریں ضائع کرتے ہیں حالانکہ اگر ایک آدمی صحیح معنوں میں ان دونوں علموں کو اس واسطے حاصل کرتا ہے کہ ان سے دین کی اشاعت اور مخلوقِ خدا کی خدمت کروں گا تو اللہ تعالیٰ خود بخود اسے وافر مقدار میں رزق دیں گے اور ایسے ذریعے سے عطا فرمائیں گے جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر کوشاں ہو اور بھوکا مر جائے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

نہیں ہے روئے زمین پر کوئی بھی جاندار مگر اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے اس کا رزق۔

اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکے ہیں وہ ضرور دیں گے اگر دل میں خلوص ہو تقویٰ ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت پر کامل یقین ہو۔

آج ایک علمِ طب کا ماہر ڈاکٹری کی ڈگری لے کر دردر ٹھوکریں کھاتا ہے لیکن کوئی چپراسی رکھنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ ابھی اخبار میں رپورٹ آئی ہے کہ ملک میں ہزاروں ڈاکٹر بے روزگار ہیں اور اسی طرح ایک مولوی اپنی زندگی کے دس بہترین سال حصولِ علمِ دین میں لگا کر سوچتا ہے کہ میں اب کہاں جاؤں۔ میں نے یونہی اپنی زندگی ضائع کر دی اب کوئی پوچھتا تک نہیں۔ یہ دربدر کی ٹھوکریں اور ذہنی کشمکش کیوں ہے؟ یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں نے اپنے اس علم کو علم سمجھ کر نہیں فن سمجھ کر حاصل کیا ہے۔ اگر علم سمجھ کر حاصل کرتے اللہ تعالیٰ شروع ہی سے کفیل ہو جاتے۔ وہ دلوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی رضا کے لیے وقت لگایا اور اس کے دین کی اشاعت کے لیے محنت صرف کی وہ انہیں کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ اللھم اجعلنا من عبادک الصالحین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بقیہ : اداریہ

کرام سے التماس کریں گے، کہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى کے جذبہ سے سرشار ہو کر محکمہ اوقاف کی جانب سے نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ کے اس پروگرام پر عمل کروانے کی پوری کوشش کریں۔

[illegible]

ضروری اعلان

ماہانہ آیتِ کریمہ

- حسبِ اعلان ۱۹ دسمبر بعد نمازِ مغرب پڑھی جائیگی انشاء اللہ العزیز۔
- حضرت جانشین امام الہدیٰ مولانا محمد اجمل قادری صاحب ہندوستان ۲۴ دسمبر بروز منگل تشریف لے جائیں گے۔

حضور خاتم الانبیاءؐ کی سیرتِ طیبہ

اور سیرت کانفرنسیں، جلسے اور مجالس میلاد

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا اہم خطاب

حضرات! پچھلے چند برسوں میں ہمارے ملک میں میلاد النبیؐ اور سیرت النبیؐ کے نام سے اس قسم کے جلسوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ سب حضرات پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس قسم کے جلسوں کی افادیت کا قائل نہیں ہوں بلکہ ان کو امت کے زوال و انحطاط کی علامت سمجھتا ہوں اور یہ کوئی گہرا اور علمی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت موٹی سی بات ہے جس کو اگر سمجھنا چاہیں تو آپ میری طرح آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی امتوں کے دو دور ہوتے ہیں۔ ایک وہ جب کہ وہ ان کے راستہ پر چلتی ہیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ اس وقت ان کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ مصنوعی اور بناوٹی طریقوں سے اپنے اس نبی اور ہادی کے ساتھ اپنی عقیدت اور اپنا تعلق ظاہر کریں کیونکہ اس دور میں ان کا ہر عمل بلکہ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور سونا جاگنا اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرا دَور ان اُمتوں اور قوموں کا وہ ہوتا ہے جب کہ یہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے طریقہ پر چلنا چھوڑ دیتی ہیں اور اس کی تعلیم و ہدایت کے بجائے اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے لگتی ہیں، مگر اس حالت میں بھی ان نبی اور ہادی کے ساتھ ان کا اعتقادی اور جذباتی تعلق باقی رہتا ہے۔ اس دور میں وہ اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں کہ وہ اپنے اس جذباتی اور اعتقادی تعلق کا کسی طرح مظاہرہ کریں۔ اس کے لیے سب سے آسان راستہ ان کے لیے یہ ہوتا ہے کہ خاص خاص دنوں میں وہ ان کی یاد منائیں جلسے کریں، ان کے فضائل و مناقب اور کارنامے بیان کریں اور نظم و نثر میں گویا ان کو خراجِ تحسین پیش کریں۔ آپ سب بھائی میری صاف گوئی معاف کریں۔ میرے نزدیک ہمارے ان سیرتی اور میلادی جلسے جلوسوں کی اصل حیثیت بس یہی ہے۔

اس وقت ہم مسلمانوں کا بس یہی حال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گذارنے کے بارے میں جو احکام اور قوانین ہمارے لیے لائے تھے جو قرآن و حدیث میں جوں کے توں محفوظ ہیں ان کی پیروی اور پابندی تو ہم کرتے نہیں یعنی آپؐ کی بات ماننے اور ہدایت پر چلنے کے لیے تو ہم تیار نہیں لیکن آپؐ کے ساتھ جو جذباتی اور اعتقادی تعلق باقی ہے اس کے مظاہرہ کے لیے ہم نے یہ جلسے اور جلوس ایجاد کر لیے ہیں۔ اس میں تفریح بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک سستا اور دل خوش کن مظاہرہ بھی ہے۔ گویا کہ اس وقت ہم مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ تاریخ اور آپؐ کی مقدس رُوح ہم کو پکار رہی ہے کہ اے میرا نام لینے والو! مجھ سے تعلق اور محبت کا دعویٰ کرنے والو! ایماندار بنو، اللہ کے عبادت گذار بنو۔ معاملات میں سچے اور دیانت دار بنو، ہر قسم کے فسق و فجور

اور فواحش و منکرات سے بچو اور پرہیزگار بنو ——— اور ہم مسلمانوں کا جواب اپنے طرزِ عمل اور اپنے حال سے یہ ہے کہ حضورؐ یہ سب تو مشکل ہے۔ ہاں ہم آپؐ کے یومِ ولادت کا جشن منائیں گے، چراغاں کریں گے۔ شاندار جلسے منعقد کریں گے۔ کئی کئی میل لمبے جلوس نکالیں گے اور آپؐ کے نام پاک کے خوب زور زور سے نعرے لگائیں گے اور عیسائیوں، ہندوؤں وغیرہ ساری دنیا کی ساری قوموں کو اس میدان میں مات دے دیں گے ——— میں خوب سمجھتا ہوں کہ میری اس بات پر آپ میں سے بھائیوں کو سخت غصہ آیا ہوگا۔ لیکن خدا کے لیے ذرا سوچئے کہ ہماری موجودہ زندگی کے ساتھ ہمارے یہ جلسے اور مظاہرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے صحیح ایمانی تعلق کی نشانی ہیں یا ان کے ذریعے ہم دنیا کو اور خود اپنے نفسوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

آپ میں بہت سے پڑھے لکھے بھائی اپنی تاریخ کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہوں گے۔ وہ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ جب تک مسلمان اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے پابند تھے اور سچے مسلمانوں کی طرح آپؐ کے طریقے پر چلتے تھے انہوں نے کبھی اس قسم کے شاندار جلسوں اور جلوسوں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق ان کے عمل اور ان کی زندگی سے ظاہر ہوتا تھا اور اُس وقت دنیا اُن کو دیکھ کر اور برت کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیک ٹھیک پہچانتی تھی، مگر ہم چاہتے ہیں کہ عمل اور زندگی کے بجائے بس زبانی جمع خرچ سے اپنی اسلامیت کا ثبوت دیں اور اسلام کے مجاہدوں میں اپنا نام لکھوائیں۔

میرے محترم بزرگو! اور بھائیو! میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پوری صفائی کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے کہہ دوں کہ اللہ کے نزدیک اور دنیا والوں کے نزدیک بھی اصل چیز عمل اور زندگی ہے اور ہمارا اور آپ کا یہ زبانی جمع خرچ یہ جلسے جلوس اپنے اندر کوئی قیمت اور کوئی طاقت اور افادیت نہیں رکھتے اور یہ کسی طرح بھی ہماری زندگی کا کفارہ نہیں بن سکتے۔

یہ بھی سراسر دھوکا ہے کہ ان طریقوں سے ہم دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرا سکتے ——— آپؐ کے صحیح تعارف کی صورت صرف یہ ہے کہ آپؐ کے نام لیوا آپؐ کے طریقہ پر چل کر اور آپؐ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ایمانداری اور راستبازی، عبادت گذاری اور پاکبازی کی زندگی کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئیں اور دکھائیں کہ ہمارے ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پاک اور حسین زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ میرے بھائیو! عمل اور زندگی کے بغیر زبان اور قلم کی ہماری اشتہار بازی اور یہ سارے مظاہرے بالکل بے اثر ہیں۔

میری یہ بات آپ میں سے بہت سوں کو یقیناً ناگوار بھی ہوئی ہوگی لیکن میں اس پر کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر اور اپنی ذمہ داری محسوس کر کے یہ بات کہی ہے۔ اگر میں یہ بات نہ کہتا تو خیانت کا مجرم ہوتا۔ خدا کرے آپ حضرات میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

اب میں اس موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دراصل اس جلسہ کا موضوع ہے اور جس پر سننے کے آپ منتظر ہوں گے۔

اس وقت کے مجمع کی خاص نوعیت کے لحاظ سے میں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح پر کوئی مسلسل اور مرتب تقریر کرنے کے بجائے آپؐ کی تعلیم اور زندگی کے بعض اہم شعبوں سے متعلق کچھ متفرق باتیں عرض کروں۔ گویا اس وقت کی میری تقریر کی حیثیت ایک اور مسلسل اور مرتب مضمون کی نہیں ہوگی بلکہ شذرات کی سی ہوگی ——— مجھے امید ہے کہ اگر آپ حضرات میری ان باتوں کو غور سے سنیں گے تو ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

حضرات! کسی نبی یا ہادی کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس لیے میں سب سے پہلے آپؐ کی تعلیم اور ہدایت ہی کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

آپؐ کی تعلیم کے دو حصّے

خالق سے متعلق اور مخلوق سے متعلق

آپؐ کی تعلیم کو اصولی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق اللہ سے ہے یعنی ہمارے آپ کے خالق و مالک سے اور دوسرا وہ جس کا تعلق اللہ کے بندوں اور اس کی تمام مخلوق سے ہے۔

حضرات! اللہ تعالےٰ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اللہ کے دوسرے نبیوں اور رسولوں نے جو کچھ دنیا کو بتلایا ہے اس میں توحید کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا تعلق انسان کی زندگی سے بہت گہرا ہے، اس لیے میں سب سے پہلے اس مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

توحید کے بارہ میں آپؐ کی تعلیم

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم یہ کہہ کر ختم نہیں کر دی کہ خدا ایک ہے بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ سب کا پالنے والا اور سب کے لیے روزی اور زندگی کی دوسری قسم کی ضروریات مہیا کرنے والا بھی وہی ایک ہے ہر قسم کا بناؤ بگاڑ، نفع و نقصان، تندرستی اور بیماری، موت اور حیات سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور صرف وہی ایک ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں۔ کائنات کے اس سارے کارخانہ کو وہ صرف اکیلا ہی چلا رہا ہے، زمین و آسمان پر صرف اسی کی فرمانروائی ہے اور صرف اسی کا ہی حکم چلتا وہ اپنی ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور اپنی صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور جو لوگ عبادت اور بندگی میں یا اس کی صفات و افعال میں کسی اور کو شریک مانتے ہیں۔ وہ بڑے ظالم اور پاپی ہیں اور جو اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے کسی اور سے دعائیں کرتے ہیں وہ بھی بڑے گمراہ ہیں۔

راہِ توحید کا سب سے بڑا خطرہ

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پیغمبروں کی اُمتوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر ہی کے بارے میں غلو میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جائیں اور اس کو خدائی اختیارات کا مالک اور خداوندی صفات میں شریک ماننے لگیں۔

ہمارے ہادی برحق اللہ کے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کی بندش کے لیے جو کچھ فرمایا ——— اور اپنے بندہ ہونے کو جس جس طرح سے ظاہر کیا میرے نزدیک توحید کے سلسلے میں وہ ایسی خالص الخاص چیز ہے کہ اس کو جانا جائے، اس کو یاد رکھا جائے، اس پر غور کیا جائے اور اس سے آپؐ کی صداقت اور آپؐ کے کمال کو سمجھا جائے۔

ہمارے غیر مسلم بھائی خاص طور سے غور فرمائیں

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اور امت کو تنبیہ کی:

لا تفرطونی کما افرطت
النصاریٰ عیسیٰ بن مریم
انما انا عبد اللّٰہ ورسولہ
فقولوا عبدہ ورسولہ

یعنی جس طرح حضرت عیسیٰؑ کی امت نے ان کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک بنایا۔ تم اسی طرح مجھ کو حد سے نہ بڑھانا، میری حیثیت بس یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں"۔

مدینہ طیبہ کی عظمت و محبوبیت

عبدالرحمٰن لدھیانوی مرحوم

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا و مولانا حبیبنا و شفیعنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔ قرب و منزلت میں اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص آپ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ آپ جملہ انبیاء کے سردار اور خاتم ہیں۔

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے ماں، باپ، اولاد سے بڑھ کر محبت نہ کرے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس چیز سے محبت ہے ہم بھی اُسے محبوب جانیں۔ منجملہ ان محبوب چیزوں کے مدینہ طیبہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ جہاں ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال مقیم رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری آرام گاہ بھی اسی جگہ واقعہ ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اس امر کی وضاحت کے لیے نقل کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ قارئین ان کے مطالعہ سے اپنے ایمان و محبت کی کیفیات میں لذت افروز ہوں گے۔

(۱) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے۔ جس کے معنی پاکیزہ اور خوش گوار کے ہیں۔ اس میں روحوں کو سکون، پاکیزگی اور خوشگواری نصیب ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کے حرم ہونے کا اعلان کیا تھا اور میں مدینہ کے حرم ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ اس میں خون ریزی نہ کی جائے۔ کسی کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھایا جائے۔ جانوروں کے چارے کے سوا درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں۔

(صحیح مسلم)

(۳) "بروایت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود مدینہ لوگوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ اس کی خیر وبرکت کو جانتے، جو بندہ صبر کرکے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کرونگا۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے پھلوں اور پیداوار میں برکت عنایت کر۔

اے اللہ! ابراہیم تو تیرے خاص بندے اور خلیل و نبی تھے میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انھوں نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینہ کے لیے تجھ سے ویسی دعا کرتا ہوں۔ اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان سب کو مدینہ منورہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی۔ جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے۔ جس طرح لوہار

کی بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کردیتی ہے۔

ان ہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ مدینے کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں۔ اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوسکتا۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ضرور شفاعت کرونگا جو مدینہ میں مریں گے اور وہاں دفن ہوں گے۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں مرنا خدا کی راہ میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں ہے لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے۔ رُوئے زمین پر کوئی جگہ نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو۔ (موطا امام مالک)

امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دُعا کی تھی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ۔

"اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج کیواسطے آیا اور پھر اس نے میری زیارتِ قبر بھی کی تو گویا اس نے مجھے زندگی میں دیکھ لیا۔ (مشکوۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شہر اسلامی مقاموں میں سب سے آخر میں ویران ہونے والا ہے وہ مدینہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زمین عرش معلیٰ سے بھی اعلیٰ ہے۔ یہ اہل السنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے۔

وہ گنبدِ خضرا کا مکین، رحمتِ دوران
وہ زندۂ جاوید بہ اکرام شہی ہے
روضہ کی زمیں عرش معلیٰ سے بھی اعلیٰ۔
علمائے دیوبند کی تحقیق یہی ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کی ہدایات

زیارتِ روضۂ مطہرہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضل المستحبات ہے بلکہ بعض نے واجب کے قریب لکھا ہے فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری قبر کی زیارت کرے۔ اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو کوئی میری زیارت کو آئے اور اس کا مقصود صرف زیارت ہی ہو تو مجھ پر حق ہوگیا کہ میں اس کا قیامت کو شفیع ہوں۔ جب مدینہ منورہ کو چلے تو درود شریف کی کثرت بہت کرتا رہے۔ خشوع و خضوع اور ادب سے آہستہ آہستہ سلام عرض کرے، بہت پکار کر نہ بولے۔ جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے اور صلوٰۃ و سلام خوب ادا کرتا رہے۔ راتوں میں جاگے، وقت ضائع نہ کرے اور حتی الوسع نماز مسجد نبوی میں پڑھے۔ (انتہیٰ)

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب بہ نسبت دیگر مساجد میں پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے مکان اور ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا ممبر حوض کے کنارہ پر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اے اللہ! مدینہ کو ہمارا محبوب بنا دے جیسے ہم مکہ سے محبت کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو سواری کو تیز کر دیتے۔ مدینہ کی محبت کے سبب۔

محبوب کا محبوب جب محبوب ہوتا ہے تو ضرور سب مسلمانوں کو مدینہ سے محبت ہوگی۔

یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " رُوئے زمین میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مجھ کو اپنی قبر ہونے کا مدینہ سے زیادہ پسند ہو۔ یہ بات تین بار فرمائی۔ (مشکوۃ)

امام مالک رحمۃ اللہ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے، فرماتے تھے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ سواری کے گھوڑوں سے اس زمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے پھرے ہوں۔



محمد عتیق الراشدی، جامعہ راشدیہ، شیخوپورہ

معزز قارئین! شاگردانِ رسولؐ کے فضائل و مناقب پر آنے والے مضامین کے سلسلہ کی پہلی کڑی آپ کے پیشِ نظر ہے۔ اہلسنّت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ ایماندار ہیں اور ان کی محبت میں مسلمانوں کی نجات ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں بغیر حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کے تمام مرتد ہیں، بے ایمان ہیں، ظالم ہیں، فاسق ہیں۔ چنانچہ ملا باقر علی مجلسی اپنی قابل بحث تصنیف حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۷ میں رقمطراز ہے:۔

"عیاشی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسولؐ از دنیا رحلت نمود مردم ہمہ مرتد شدند بغیر چہار نفر علیؓ ابن ابی طالب و مقدادؓ و سلمانؓ و ابوذرؓ۔"

شیعہ کے نزدیک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے بعد ان چار کے علاوہ نعوذ باللہ سب دین حقہ سے پھر گئے تھے اور مرتد ہو گئے اور ان چار صحابہؓ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرامؓ کو مومن و مسلمان کہنے والے شیعہ کے نزدیک کافر ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے قرآن پاک میں سے صحابہ کرامؓ کا ایمان ثابت کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ
مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ
وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پ ۱۱
سورۃ التوبہ آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے اور امداد کرنے میں پہل کی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکی اور احسان کے ساتھ اللہ راضی ہے ان سے اور وہ راضی ہیں اللہ سے اور تیار رکھے ہیں ان کے لئے باغات جن کے نیچے نہریں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت میں خداوند کریم نے جس لطیف انداز میں مہاجرین و انصار کی توصیف و تعریف کی ہے اور فضیلت و عظمت بیان فرمائی ہے اگر کسی کے دل میں شمع ایمان کی ایک کرن بھی موجود ہو تو وہ شاگردانِ رسولؐ کے دین و ایمان میں شک کر کے اپنے دین و ایمان کی کھیتی کو برباد نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ امام الانبیاءؐ کے جاں نثار غلاموں اور وفادار ساتھیوں کی اس سے بڑھ کر شان و عظمت، عزت و فضیلت کیا ہو گی کہ خداوند تعالیٰ نے جن کے متعلق خود فرما دیا ہے کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں اور خداوند کریم کا کسی پر راضی ہو جانا اس کی توقیر و حرمت کے لئے کم نہیں۔ زمین و آسمان، فرش و عرش، لوح و قلم، انسان، حیوان، جن و ملائکہ، حور و غلمان اور اولیاء و انبیاء غرضیکہ کائنات ارضی و سماوی کی یہی خواہش ہے کہ خدا مجھ پر راضی ہو جائے۔ کسی عابد سے پوچھیں کہ تو ساری ساری رات کیوں جاگتا ہے؟ تو وہ جواب دے گا خدا کو راضی کرنے کے لئے! ایک حاجی کرایہ خرچ کر کے مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف اس لئے کرتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے! ایک مجاہد میدان میں اپنے سر پر کفن باندھ کر صرف اس لئے لڑتا ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ خدا مجھ پر راضی ہو گیا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اس نے کسی اور کو بتایا ہی نہیں لیکن قرآن پاک کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائناتِ ارضی و سماوی میں سے کچھ ایسے مقدس لوگ بھی موجود ہیں جن کے متعلق خدا نے خود اعلان کر دیا ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اور جن پر خدا راضی ہو گیا وہ کون لوگ ہیں؟ نبی کے ساتھ ہجرت میں پہل کرنے والے اور ان مہاجرین کی سب سے پہلے امداد کرنے والے۔ اور سب سے پہلے نبیؐ کے ساتھ ہجرت کرنے والے کون ہیں؟ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سب سے پہلے مہاجرین کی امداد کرنے والے کون ہیں؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تو جن صحابہ کرامؓ سے اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ، افعالِ حسنہ اور ان کے دین و ایمان کی بنا پر راضی ہو جائے اور وہ خدا کی اس عطا پر راضی ہوں تو پھر یہ کون ہیں جو خدا اور شاگردانِ رسولؐ کے درمیان ہو جانے والے اس راضی نامہ کو اپنی شرمناک چالوں سے توڑنے کی ناکام کوشش کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ اور خداوند کریم نے شاگردانِ رسولؐ کے درمیان ہو جانے والے اس راضی نامہ کو اپنی شرمناک چالوں سے توڑنے کی ناکام کوشش کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں اور خداوند کریم نے شاگردانِ رسولؐ کے لئے جو جنّت کے باغ تیار کر رکھے ہیں اپنے من گھڑت شکوک و شبہات اور بے معنی نفرت و عداوت کے تیروں سے ان سدا بہار باغوں کے پتّے جھاڑنے کی بے فائدہ سعی کر کے کملی والے کی شفاعت سے محروم ہو رہے ہیں۔ جب اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اول المہاجرین ہیں تو پھر کسی کو ان کے ایمان و تقدس اور دامنِ رضائے خدا میں داخل ہونے، جنّت کے باغوں میں سیر کرنے سے کسی کو شک و شبہ باقی نہیں رہنا چاہئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا ہجرت کی رات اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ جانا کوئی معمولی عمل نہیں تھا۔ اس رات اور اس سفر میں آنحضرتؐ کی رفاقت و مصاحبت دراصل مصیبتوں اور خطروں کے سمندر میں کودنا تھا اور قدم قدم پر موت و ہلاکت کو آواز دینا تھا۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ بھی کوئی مطلب پرست اور خود غرض ساتھی نہیں تھے وہ صحیح معنوں میں یارِ غار، وفادار ساتھی، جاں نثار رفیق سفر اور سرفروش غلام تھے اس لئے انہوں نے بغیر کسی سوچ و بچار اور ہچکچاہٹ کے اپنے آقا کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی۔

اب یہ حضرات بتائیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ میں جن مہاجرین و انصار کی شان بیان کرتے ہوتے ان سے راضی ہونے کا تمغۂ خوشنودی عطا کیا ہے اور ان کے اخلاق و اخلاص، تقدس و اتقاء، اعمال صالحہ اور دین و ایمان کے بدلے جنت کے باغ تیار کر رکھے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ان مہاجرین و انصار کی مقدس جماعت میں صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ بھی شامل ہیں کہ نہیں؟ اگر نہیں تو ثابت کرو اور اگر ہیں تو پھر ان کے دین و ایمان اور ان کے جنتی ہونے میں شک کیوں؟ اور اگر کوئی دشمن صحابہ کرامؓ یہ کہے کہ یہ آیت پاک ان مہاجرین و انصار کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے خاص خدا کے لئے ہجرت کی تھی نہ ان کے حق میں جنہوں نے کسی دنیاوی طمع و لالچ کے لئے کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہجرت اسلام کے ابتدائی دور میں ہوئی اور اس وقت دولت کے کون سے خزانے تھے جن کے لئے طمع و لالچ کیا جاتا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو مسلمانوں کو پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی چہ جائیکہ ان کے پاس سونے و چاندی کے ڈھیر ہوتے اور خود سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خانۂ اقدس میں تین تین دن تک آگ نہیں جلتی تھی اور بھوک کی شدت کو مٹانے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ اور کیا مدینہ منورہ کے رہنے والوں نے مہاجرین کی اس لئے عزت و مدد اور خاطر مدارت کی تھی کہ ان کو پتہ چل گیا تھا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان اپنے ساتھ بہت سامان و دولت لے کر آئے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو یہ حضرات ثابت کریں اور اگر غلط ہے تو پھر ان پر طمع و لالچ کی خاطر گھر بار چھوڑنے کا الزام لگانا قرآن و حدیث کا انکار ہے اور ان کا انکار کفر ہے۔ قرآن میں خداوند کریم نے ان بے ادبوں کے دلوں میں صحابہ کرامؓ کے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کا خود بھی جواب دے دیا ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ کہ ان لوگوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

یہ آیت مبارکہ صاف بتا رہی ہے کہ ہجرت کرنے والوں اور اپنے گھر بار، خویش و اقارب چھوڑنے والوں نے کسی دنیاوی طمع و لالچ اور نفسانی خواہشات کے پیش نظر ایسا نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے صرف اللہ کے لئے ہجرت کی تھی۔ جب خداوند تعالیٰ خود ہی اس بات کی تصدیق کر دے کہ شاگردانِ رسولؐ نے محض اللہ کی حقانیت و ربوبیت کی خاطر اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر ہجرت کی تھی تو پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے مقابلے میں اپنے تعصب و عناد کی بناء پر کملی والے آقائے دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جاں نثار غلاموں کی پاک نیتوں پر حملہ کرے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ط (بقرہ)

اس آیت میں بھی قادرِ مطلق شاگردانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخاطب ہے۔ منافقین کے ظاہری اور غیر مقبول

ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ منافقین کا ایمان مردود ہے۔ اور قطعاً ناقابل قبول ہے۔

اے میرے محبوب کے جانثار ساتھیو! انہیں کہہ دو اگر تمہیں ہدایت مقصود ہے تو کھلے بندوں ہماری طرح مسلمان بننا پڑے گا۔ گویا اس آیت میں شاگردانِ رسولؐ کے ایمان کو ایک معیار اور کسوٹی قرار دیا جا رہا ہے کہ ایمان اسی کا قابل اعتبار ہوگا جس کا ایمان یاران نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایمان جیسا ہوگا۔ اور جن کا ایمان ان شاگردانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا نہیں ہوگا وہ قابلِ اعتبار ہی نہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ بے ادب ان ہی کے ایمان میں شک کر کے خداوند تعالیٰ کے صاف حکم کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور اپنی عاقبت کو تباہ کر رہے ہیں۔ یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

اب بھی وقت ہے کہ اپنے ان عقائد بد سے توبہ کر کے صحابہ کرامؓ کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر اپنی آخرت سنوار لو وگرنہ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

سالکِ راہ

میں خوش نصیب ہوں، تجھ سے سوال کرتا ہوں
میں اپنے ایماں کو یوں لازوال کرتا ہوں
تری تلاش میں پھرتا ہوں کوہ و صحرا میں
متاعِ شوق کو نذرِ وصال کرتا ہوں
مری نجات کا ساماں ہے دردِ الا اللہ
میں خواہشات کو اب پائمال کرتا ہوں
نگاہِ شیخ نے بدلا ہے یوں ضمیر مرا
میں اپنے حال کو ہم رنگِ قال کرتا ہوں
میں اُن کی خاک کو سُرمہ بنا کے آنکھوں کا
دل و نگاہ کو وقفِ جمال کرتا ہوں
شبانہ روز میں امید باریابی سے
ترے ہی در پہ صدا ذوالجلال کرتا ہوں
حریمِ ناز پہ پہنچوں، یہ کچھ بعید نہیں
ترے جو لطف و کرم کا خیال کرتا ہوں
وہ بد نصیب ہے جس نے یہاں کیا دعویٰ
"میں زورِ بازو سے کسبِ کمال کرتا ہوں"

لال دین اخگر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ

راشد شکور
سیالکوٹ

آپ کا اسم گرامی الشیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر الجیلانی الحسنی والحسینی ہے۔ آپ کا نام نامی محی الدین ابو محمد بن ابی صالح (موسیٰ) جنگی دوست بھی بتایا گیا ہے مگر الذہبی نے عبدالقادر بن ابی صالح عبداللہ بن جنگی دوست لکھا ہے۔

آپ پانچویں صدی ہجری کی عظیم المرتبت شخصیت ہیں آپ کی ولادت مبارکہ یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء کو ہوئی۔ ایک دوسری روایت ۴۷۱ھ کی بھی آتی ہے۔ علامہ ابن جوزی نے المنتظم میں اور محمد مرتضیٰ الزبیدی نے تاج العروس میں ۴۷۵ھ بتایا ہے۔ بعض بزرگوں نے آپ کا سالِ ولادت لفظ "عشق" ۴۷۰ھ سے نکالا ہے۔ آپ کی جائے ولادت بشتیر ضلع گیلان ہے۔ جیلان کی جس بستی میں آپ کی پیدائش ہوئی اس کا نام الشطنوفی نے نیف اور یاقوت نے بشتیر بیان کیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک بستی میں پیدائش اور دوسری میں پرورش وغیرہ ہوئی۔ سفینۃ الاولیاء کے مطابق آپ کی ولادت "جیل" میں ہوئی لیکن دراصل جیلان کو جیل گیلان اور گیل بھی کہتے ہیں، اسی لیے ابن تغری بردی کے مطابق آپ کو الجیلی بھی کہتے ہیں۔

آپ عجمی الاصل تھے۔ بچپن بڑے پاکیزہ ماحول میں گذرا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ عرفہ کے دن باہر صحرا کو نکل گیا۔ ایک گائے کی دم پکڑی۔ گائے نے مڑ کر کہا ——— "اے عبدالقادر تم اس کام کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ اور نہ اس کا حکم ہوا ہے" ——— میں ڈر گیا اور واپس آگیا۔ میں نے اپنی ماں (سیدہ ام الخیر فاطمہ ثانیہ) سے کہا کہ مجھے خدا کے کام پر لگاؤ اور اجازت دو کہ میں بغداد تحصیلِ علم کے لیے جاؤں۔ وہ رو پڑیں اور اسی دینار باہر لائیں اور کہا ——— "یہ تیرے باپ کی میراث ہیں۔" چالیس دینار تو میرے بھائی کے رکھ چھوڑے اور چالیس دینار میری بغل میں جامے کے نیچے سی دیے اور ہر حال میں سچ بولنے کا عہد کیا۔ میں مختصر قافلہ کے ساتھ بغداد روانہ ہوا۔ راہ میں قزاقوں نے آلیا لیکن مجھ سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ اتفاقاً ایک قزاق نے پوچھا ——— "تمہارے پاس کیا ہے؟"

میں نے کہا ——— "چالیس دینار"

اُس نے خیال کیا کہ میں نے اُس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ وہ چلا گیا۔ پھر دوسرا آیا۔ وہ بھی پوچھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد سردار نے مجھے بُلایا۔ اُس نے بھی یہی سوال کیا۔ میں نے کہا ——— "چالیس دینار"۔

پوچھا ——— کہاں ہیں؟"

میں نے جواب دیا ——— "میری بغل کے نیچے جامے میں سِلے ہوئے ہیں"۔

اُس نے جامہ پھاڑا اور دینار نکال لیے۔ پھر اُس نے کہا ——— "تمہیں کیا ہُوا ہے کہ تم نے اقرار کر لیا؟

میں نے کہا ——— "میری والدہ نے مجھ سے سچ بولنے کا عہد لیا تھا"۔ وہ یہ سُن کر رو پڑا اور بولا ——— "میں استنے برسوں سے خدا کے ساتھ خیانت کر رہا ہوں۔ اُسے سخت ندامت ہوئی اور ساتھیوں سمیت میرے ہاتھ پر توبہ کی اور جو کچھ اہلِ قافلہ سے چھینا تھا سب واپس کر دیا۔

بغداد میں رہ کر حماد بن مسلم بن درۃ الدباس کی درس گاہ میں تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں فنون وادب التبریزی سے حنبلی فقہ ابوالوفاء ابن العقیل[1] سے حدیث ابو محمد جعفر الراج، اصول فقہ المخرمی حنبلی سے پڑھا۔ یہ آپ کے شیخ طریقت بھی تھے۔

شیخ نے ایسے دَور میں زندگی بسر کی جب کہ تصوف کا عروج تھا اور صوفیہ کے مسلک میں وسعت پیدا ہو رہی تھی۔ ان سے پہلے کی صدی میں ایک نزاع جو مدت سے جاری تھی شدید شکل اختیار کر چکی تھی جس سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد متاثر ہو رہا تھا۔ نزاع یہ تھا کہ آیا انسان کو ایسا مسلک اختیار کر لینا چاہیئے کہ وہ دین کی طرف سے بے پرواہ ہو جائے اور محض رسمی اور رواجی مسلمان رہ جائے یا اُسے ایسے دین عقل پرست کو اختیار کرنا چاہیئے جو اہلِ دین کے مسلمات و عقائد سے متصادم ہو۔ یہ وہ دَور تھا جس میں شیخ نے عملی سرگرمیاں شروع کیں۔ اس دور میں آپ نے جہاد کے ساتھ ساتھ قلمی اور علمی جہاد بھی کیا۔ آپ نے نہایت سادہ اسلوب میں بلند پایہ کتابیں لکھیں جن میں "الغنیۃ الطالبین فی طریق الحق" (یہ اپنے زمانے کی بہترین کتاب ہے جو صحبت، فقر، مجاہدہ، توکل شکر، صبر، رضا، صدق، ایمان، اخلاق اور امر ونواہی کے مضامین پر مشتمل ہے)۔ "الفتح الربانی والفیض الرحمانی" (اس میں ۶۲ مواعظ ہیں) "فتوح الغیب" (یہ ۷۸ مقالات پر مشتمل ہے)۔ بشائر الخیرات (اس میں نبیؐ پر درود کے لیے متعدد عبارات مرتب کی گئی ہیں) مراتب الوجود، یواقیت الحکم اور معراج لطیف المعانی شامل ہیں۔

آپ نے جس تصوّف کی تعلیم دی ہے وہ نفس وہویٰ کے خلاف جہاد کرنے پر مشتمل ہے۔ آپ نے اپنے خطبات میں نام نہاد صوفیوں کو جھنجھوڑا ہے۔ حکام واُمراء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں غضبِ خداوندی سے ڈرایا ہے۔ آپ کے مواعظ کے مطالعہ سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس وقت ملتِ اسلامیہ زوال پذیر تھی۔ آپ نے عوام کی گوشمالی کی اور فرمایا۔ "اگر حدودِ الہیٰ میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے ذرا شریعت کی طرف رجوع کرو ..... ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی باطل ہے"۔

ایک اور خطبے میں آپ نے فرمایا:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے۔ اے باشندگانِ زمین آؤ اور جو گر رہا ہے اُس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے اُس کو درست کر دیں یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی سبھی کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ اے سورج، اے چاند اور اے دن! تم سب آؤ۔

ہر وہ حقیقت
جس کی شریعت
تائید نہیں
کرتی باطل ہے

اُس وقت ایک عالم کا عالم اہلِ حکومت اور دولت کے دامن سے وابستہ تھا۔ لوگوں کے دینوں پر نام نہاد، بدعتی اور گمراہ ملاؤں اور صوفیاؤں کی حکومت تھی مختلف انسانوں اور ہستیوں کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ لیا گیا تھا۔ ایسی فضا میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ساری مخلوق عاجز ہے۔ نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان.... جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے اس

[1] انہوں نے اعتزال چھوڑ کر حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔
[2] یہ غنیۃ الطالبین کے نام سے مشہور ہے

کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو موحد اور نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں[1]۔"

ایک مرتبہ فرمایا:

"اُس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے۔

اُس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے۔

اُس سے محبت کرو جو تمہارے ساتھ محبت کرتا ہے[2]"

آج لوگ ان کا نام جپتے ہیں —— مگر ان کا دیا ہوا سبق اور کیا ہوا عمل بھول چکے ہیں

آپ طریقہ قادریہ کے بانی ہیں۔ عقائد و اصول میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور محدثین کے مسلک پر تھے۔ مذہب اہلسنت والجماعت اور سلف کے مسلک کو آپ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور عملی و اعتقادی بدعات کا بازار سرد پڑ گیا۔ آپ بالعموم شافعی اور حنبلی مذہب کے مطابق فتوے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ استفتاء آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی ہے کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریکِ عبادت نہ ہو۔ اگر اس نے قسم پوری نہ کی تو اس کی بیوی کو تین طلاق۔ علماء یہ استفتاء سن کر حیرت میں ڈوب گئے کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہے جس میں وہ بالکل تنہا ہو اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی ویسی عبادت نہ کر رہا ہو۔ حضرت شیخ کے پاس استفتاء آیا تو بلا تکلف فرمایا کہ مطاف اس کے لیے خالی کر دیا جائے اور وہ سات چکر کر کے بیت اللہ کا طواف مکمل کرے۔ علماء نے یہ سنا تو بے اختیار داد و تحسین دی اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کر کے اپنی قسم پوری کرے۔ اس لیے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے اور مطاف اس کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں۔

آپ ۳۳ برس تک درس و فتاویٰ دیتے رہے۔ اصلاحِ معاشرہ کا کام کرتے، شرک و بدعت کو بیخ و بن سے اکھاڑتے رہے۔ نام نہاد صوفیاء و علماء کو جھنجھوڑتے رہے اور گمراہ مخلوق کو راہِ راست پر لاتے رہے۔ آخر کار اسی تگ و دو میں اکثر روایات کے مطابق ۸۔ یا ۹ ربیع الثانی ۵۶۱ھ بروز پیر اس عالمِ فانی سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کی عمر اُس وقت نوّے برس تھی۔

یہ تھے وہ مجاہدِ عظیم، بطلِ جلیل اور اپنے وقت کے عظیم رہنما۔ آج ہم ان کا نام جپتے رہتے ہیں لیکن اُن کے عمل کو بھول گئے ہیں۔ آیئے ہم حضرت الشیخ کی زندگی کو سامنے رکھ کر سوچیں کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو اُن کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں؟ کتنے ہیں جو جبر و ستم کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کتنے ہیں جو بچوں کو سچ بولنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کتنے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی لپٹوں سے بچانے کا سامان کر رہے ہیں اور کتنے ہیں جو بیمار روحوں کی مسیحائی کر رہے ہیں؟ کیا ہم کبھی ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے بھی یا صرف اُن کے نام کی ہر مہینے مجالس منعقد کر کے گفتار کے غازی بنے رہیں گے اور بزعم خویش انکے پیارے بنے رہیں گے۔ کل قیامت کے روز روحِ شیخ کو کیا جواب دیں گے جب وہ ہم سے پوچھے گی کہ بتاؤ تم نے میرے مشن کو آگے بڑھایا تھا؟ کیا جواب دیں گے؟

---

[1] فتح یزدانی مجلس ۱۳
تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۰۷
[2] فتوح الغیب مقالہ ۶۲

مفتی عبدالشکور کشمیری
مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

چند دنوں سے ملک میں اذان سے قبل اور بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنے اور نہ پڑھنے کی بحث گرما گرمی سے شروع ہے اور معاملہ چیلنج بازیوں سے نکل کر قومی اور صوبائی اسمبلی تک جا پہنچا۔ اخبارات و رسائل میں بھی بیانات کا سلسلہ جاری ہے۔ ملک کے اندرونی و بیرونی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ عوام کو اس طرح کے مسائل میں الجھانا کسی طرح درست نہیں۔ ملک کی سرحدوں پر دشمن حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں اندرونِ ملک اس طرح کی گڑ بڑ کے بہانے کی تلاش میں ہیں اور اسی طرح کے اختلافات اسلام دشمن طاقتوں اور ان کی سازشوں کی کامیابی کا سبب بنتے ہیں۔ چونکہ آج کل یہ مسئلہ زیرِ بحث ہے اور عام عوام اس بحث سے پریشان ہیں۔ ملک کے مختلف اطراف سے اس بارے میں استفسار ہو رہا ہے اس لیے خیال ہُوا کہ مختصر تحریر کے ذریعے اس کا جواب آ جائے تاکہ عوام صحیح صورتحال سے آگاہ ہو سکیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا بہت بڑی عبادت اور ثواب و فضیلت کی بات ہے اور ذریعۂ نجات ہے۔ ہر مسلمان سے جتنا زیادہ ہو سکے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے، لیکن جس طرح نماز، روزہ، حج، ذکر اللہ، تلاوتِ قرآن کریم وغیرہ سب عبادات ہیں مگر ہر ایک کے لیے کچھ آداب و شرائط و حدود و قیود ہیں جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا و آخرت ہے اور ان قیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تو ثواب کی بجائے عذاب و گناہ ہے۔ مقرر کردہ رکعات میں کوئی رکعت زائد کر دے تو حرام، جماعت کی نماز سنت مؤکدہ لیکن نفل کی جماعت ممنوع و گناہ ہے۔ طلوعِ شمس اور غروب کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے حالانکہ فی نفسہ نماز، عبادت ہے۔ روزہ کتنی بڑی عبادت ہے مگر عیدین اور ایام نحر میں حرام ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت بہترین عبادت ہے لیکن رکوع و سجدہ کی حالت میں تلاوت ممنوع ہے جہاں لوگ سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں، بلند آواز سے تلاوت ناجائز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام افضل عبادات، موجب برکات و سعادات دنیا و آخرت ہے مگر دوسری عبادات کی طرح اس کے بھی آداب و شرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے سے ثواب کی بجائے گناہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ سلف کی طرف رجوع کیا جائے۔ جب تاریخِ اسلام اور ان حضراتِ مقدسہ کی سیرت کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جو مروجہ صلوٰۃ و سلام کے ناجائز اور بدعت ہونے کی واضح دلیل ہے لیکن اس کے باوجود بعض لوگ اس کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری اور اپنا شعار تصور

کرنے کے ساتھ اور نہ کرنے والوں کو لعن طعن کرتے ہیں۔ چونکہ یہ حضرات اپنے آپ کو اہل سنّت والجماعت کہلاتے ہیں اس لیے پہلے اہل سنّت کی تعریف ملاحظہ فرمائیں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب خیالی میں ہے:

"اہل سنّت والجماعت وہ مسلمان ہیں جو عقائد و احکام میں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مسلک پر ہوں اور قرآن و سنّت کے ساتھ سنّتِ نبویہ کو بھی حجّت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں"

(خیالی علی شرح العقائد ص ۱۹)

پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں۔

"اس لیے ہر مؤمن کو سنّت و جماعت کی پیروی کرنی واجب ہے۔ پس سنّت اس طریقے کو کہتے ہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور جماعت وہ بات ہے جس پر چاروں اصحابوں رض نے اپنی خلافت کے زمانے میں اتفاق کیا ہے۔ یہ لوگ سیدھا راستہ دکھلانے والے ہیں الخ

غنیۃ الطالبین ص ۱۴۹

اہلِ سنّت کی مذکورہ تعریف سے ...

... یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ سُنّت رسول اور صحابہ و قرون سلف سے ہٹ کر جو کام ہو گا وہ سنّت نہیں اور جو سنّت نہیں وہ دین نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے ہٹ کر کسی کام کو کرنے والے اہل سنّت والجماعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ سنّت اور صحابہ کی پیروی کرنے والی جماعت ہی اہل سنّت اور فرقہ ناجیہ ہو گا اور یہی لوگ ما انا علیہ واصحابی کا صحیح مصداق ہیں۔

'ما انا علیہ' سے سنّت کی طرف اور اصحابی سے جماعتِ صحابہ کی پیروی کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی رح اپنی مشہور کتاب الملل والنحل میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خبر دی کہ عنقریب امّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک فرقہ ان میں سے نجات پانے والا ہے اور باقی ہلاک ہونے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ نجات پانے والا کون سا فرقہ ہے؟ آپ ص نے فرمایا کہ اہل سنّت والجماعت کا۔ سوال کیا گیا اہل سنّت والجماعت سے کیا مُراد ہے؟ آپ ص نے فرمایا کہ وہ طریقہ جس پر آج کے دن مَیں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں"۔

الملل والنحل ص ۱۳ ج ۱

اس مضمون کی حدیث مستدرک ص ۱۲۹ ج ۱ تفسیر درمنشور ص ۶۳ ج ۲ میں بھی موجود ہے۔ اس مرفوع حدیث سے صراحتاً یہ معلوم ہُوا کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنّت والجماعت ہے۔ (جس کی تعریف اوپر گذر چکی)

۲۔ حضرت عرباض رض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک مؤثر اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی جس سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خشیت طاری ہو گئی۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ص ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ تقریر آپ کی رخصت کرنے والے کی (آخری) تقریر ہے۔ اس لیے ہمیں کچھ وصیّت ارشاد فرما دیجئے۔ آپ ص نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا، امیر کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کو بجا لانا اگرچہ ایک حبشی غلام تمہارا امیر منتخب ہو جائے کیونکہ کیونکہ میرے بعد تمہاری زندگی

کے مراحل میں بہت کچھ اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میری سنّت اور خلفاء راشدین کی سنّت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو اور میری اور ان کی سنّت کو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو اور دین میں نئی نئی باتوں سے احتراز کرو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔

یہ حدیث مشکوٰۃ ص ۳۰، ترمذی ص ۹۲ ج ۲ ابن ماجہ ص ۵ ابو داؤد ص ۲۷۹ ج ۲ مسند احمد ص ۲۷ ج ۴ مسند دارمی ص ۲۶ مستدرک ص ۹۵ ج ۱ وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے اور بالکل صحیح روایت ہے جس پر کوئی کلام نہیں۔

۱۔ اس حدیث پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی وصیّت میں جہاں تقویٰ اختیار کرنے پر زور دیا اور اپنی سنّت کی پیروی اور حضرات صحابہ کرام اور امّت کو تاکید بلیغ ارشاد فرمائی وہاں اپنے حضرات خلفاء راشدین کی سُنّت کو مضبوط پکڑنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا اور ان کی سنّت کو ایک مثال سے واضح کیا کہ جس طرح داڑھوں میں مضبوط پکڑی ہوئی چیز نکل نہیں سکتی اسی طرح فرمایا کہ میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت کو مضبوط پکڑو اور اس میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دو۔ اُن کی جو بھی سنّت ہو گی وہ اسلام میں رشد و ہدایت ہو گی اور ان حضرات خلفاء راشدین کے قول و فعل کے خلاف اور بعد کو جو چیز بھی ظاہر ہو گی اس کو دین اور مذہب سمجھنا نِری بدعت ہو گی اور ہر بدعت ارشاد نبوی ص کے بموجب گمراہی ہو گی۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو فعل تقریباً آٹھ سو سال تک نہ ہُوا اور بعد میں اس کی ایجاد ہوئی وہ کیونکر سنّت ہو سکتا ہے۔ بعد میں کسی فعل کی ایجاد جس کو دین اور ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہو اور قرنِ سلف میں اس کا وجود نہ ہو یہی اس کی ممانعت کی واضح دلیل ہے۔ اس کے بعد منع کی دلیل کا مطالبہ کرنا ذی عقل کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جو لوگ آج کل اس مروّجہ رسم کے جواز کے دعویدار ہیں ان کے امام احمد رضا خان بریلوی نے بھی بدعت کی یہی تعریف کی ہے بلکہ مروجہ صلوٰۃ وسلام کے منع کو واجب قرار دیا ہے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

یہاں تک تو احادیث کی روشنی میں بدعت کی دلیل اور اس سے بچنے کی بحث تھی اب فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں مروّجہ صلوٰۃ وسلام کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہ مساجد میں بآوازِ بلند ذکر کو بدعت فرما رہے ہیں۔

فقہ حنفی کے مشہور امام علامہ حلبی رح لکھتے ہیں:۔

"حضرت امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے پکارو"۔

(کبیری ص ۵۶۶)

مشہور حنفی محدّث حضرت ملّا علی قاری رح لکھتے ہیں:۔

"ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے"۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۴۷ ج ۲)

فقہ حنفی کی مشہور معتبر کتاب فتاویٰ شامی میں ہے۔

علامہ شامی فتاوی بزازیہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رض کا فعل نقل کرتے ہیں کہ:

"قاضی صاحب کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے صرف اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

پر درود شریف پڑھتے تھے اور فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔"

اسی روایت کا ذکر مشہور بریلوی عالم مولنٰنا عبدالسمیع صاحب نے انوار الساطعہ ص ۳۸-۳۹ میں بھی کیا ہے۔ صاحب شامی دوسری جگہ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اگر ذکر سے نمازی کی نماز، تلاوت کرنے والے کی تلاوت اور سونے والے کی نیند اور بیمار کے آرام میں خلل آئے تو جائز نہیں۔"

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ص ۶۱۸ ج ۲ و ص ۳۵ ج ۵۔ انصاف سے غور کریں کہ کیا مروجہ صلوٰۃ وسلام میں قباحتیں نہیں۔

باآواز بلند درود شریف کے بارے میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

(سوال) اگر کوئی مسجد میں باآواز بلند درود وظائف یا تلاوت کر رہا ہو۔ اس سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے میں بھی آواز کانوں میں پہنچتی ہے، لوگ بھول جاتے ہیں، خیال بہک جاتا ہے۔ ایسے موقع پر ذکر بالجہر یا تلاوت کرنے والے کو منع کرنا جائز ہے کہ نہیں یعنی آہستہ پڑھنے کو کہنا بالجہر سے منع کرنا اگر نہ مانے تو کہاں تک ممانعت کرنا جائز ہے۔ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟

الجواب: بے شک ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ نہی عن المنکر ہے اور کہاں تک کا جواب یہ ہے کہ تاحدِ قدرت جس کا بیان اس ارشاد اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے "جو تم میں ناجائز بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹا دے، بند کر دے اور اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ سب سے کمتر درجہ ایمان کا ہے۔" اور جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن عظیم کے استماع کے لیے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے۔ ایک تو وہی خلل اندازی نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لیے پیش کرنا

الخ فتاویٰ رضویہ ص ۶۱۹ ج ۴،
ردالمختار ص ۵۰۹ ج ۱، فتح القدیر ص ۲۴۲ ج ۱
خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۱۳ ج ۱ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص فقہ (کے مسائل) لکھتا ہے اور اس کے پہلو میں کوئی شخص (بلند آواز سے) قرآن کریم پڑھتا ہے اور مصروف کے لیے قرآن کریم سننا ممکن نہیں تو گناہ پڑھنے والے پر ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص مکان کی چھت پر پڑھتا ہے اور لوگ سوئے ہوئے ہیں تو پڑھنے والا گناہگار ہے، اس لیے کہ اس کا پڑھنا لوگوں کے سننے سے اعراض کا سبب ہے یا اس لیے کہ وہ اس کو بیدار کرنے کی اذیت دے رہا ہے اور اسی میں غنیۃ المستملی کے حوالے سے ہے کہ پڑھنے والے پر قرآن کریم کا احترام واجب ہے بایں طور کہ وہ اس کو بازار میں نہ پڑھے اور لوگوں کی مصروفیت کی جگہ نہ پڑھے۔ اگر پڑھا تو پڑھنے والا ہی گناہ گار اور اس کے احترام کو ضائع کرنے والا ہوگا۔ مشہور بریلوی عالم مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کا فتویٰ کہ مروّجہ صلاۃ وسلام ثابت نہیں، بدعت ہے چھپا ہوا ملتا ہے۔

لیجیے صحابہؓ وتابعینؒ کے دور میں تو اس کا وجود ہی نہ تھا اور جب اس کا رواج ہوا تو علماء نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا جیسا کہ ابن حجر مکی کے حوالے سے آگے صراحت آ رہی ہے۔ جو حضرات اس کے قائل ہیں ان کے لیے

ان کے امام مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ ہی ممانعت کے لیے کافی ہے جو اس کے بند کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب کہہ رہے ہیں اور نہی عن المنکر فرما رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مروّجہ صلوٰۃ وسلام کے جواز کی دو ہی دلیلیں ہو سکتی تھیں، لیکن ان دونوں صورتوں میں کسی ایک سے بھی اس کا جواز نہیں ہو سکتا۔

۱۔ یہ کہ اس کی کوئی نقل مل جاتی مگر پوری تاریخِ اسلام میں اس کے جواز کا کوئی ایک واقعہ بھی نہیں مل سکا۔ اگر کسی کو کوئی واقعہ ملا ہو تو بتا سکتا ہے۔

۲۔ یہ کہ محبت کی بنا پر پڑھا جاتا ہے۔ یہ بھی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی کو محبت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ مستحسن و محمود ہوتا تو صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ دینؒ پوری پابندی کے ساتھ کرتے اور ایسا کرنا ثابت نہیں بلکہ منع ثابت ہے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ بدعت ہے تو اور بھی بہت سی چیزوں کو بدعت کہنا پڑے گا مثلاً سپیکر پر نماز پڑھنا اور ایک مولوی صاحب نے تو اس ضمن میں حضرت بلالؓ کی اذان جو بغیر صلوٰۃ و سلام کے ہوتی تھی اس کو فرسودہ اذان تک کہہ دیا۔ (العیاذ باللہ) لیکن یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ بدعت اس کو کہتے ہیں جو قرون سلف میں ثابت نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ چنانچہ خود مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بدعت کی یہی تعریف کی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

وہ کہ رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں الخ۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو قرون سلف میں نہیں کیا گیا اور بعد میں کوئی اس کو دین اور ثواب سمجھ کر کرے تو وہ بدعت ہے اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام کو ثواب سمجھ کر پڑھا جاتا ہے اور قرون سلف میں اس کا کوئی ثبوت نہیں تو خود احمد رضا خان بریلوی کے فتوے کے مطابق یہ بدعت ہوا۔

مروجہ صلوٰۃ وسلام کے بعض مفاسد

۱۔ مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہے۔ اس میں کسی فرد یا جماعت کو فرائض و واجبات کے علاوہ کسی ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح، درود، تلاوت قرآن وغیرہ میں خلل انداز ہو اگرچہ وہ عمل سب کے نزدیک بالکل جائز و مستحسن ہی کیوں نہ ہو۔ فقہائے کرامؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں باآواز بلند تلاوت قرآن یا ذکر جہری جس سے دوسرے لوگوں کی نماز یا تسبیح وغیرہ میں خلل آتا ہو ناجائز ہے۔ جب قرآن عزیز اور ذکر اللہ کی اجازت نہیں تو درود وسلام کی اجازت کس طرح دی جا سکتی ہے۔

۲۔ اس کو واجب کی طرح جاننا گناہ ہے اور یہ لوگ اس کو ضروری جانتے ہیں۔

۳۔ اس میں شریک نہ ہونے والے بے گناہ مسلمانوں کو بُرا بھلا اور مطعون کرنا گناہ ہے۔

۴۔ باآواز بلند کہہ کر دوسرے مشغول لوگوں کے شغل میں خلل انداز ہونا بھی گناہ ہے۔

۵۔ بیمار اور سوئے ہوئے لوگوں کے آرام میں خلل ڈالنا یہ مستقل گناہ ہے۔

لہٰذا مروّجہ صلوٰۃ وسلام کو کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جو لوگ اس کو دین اور ثواب سمجھ کر کرتے ہیں وہ بدعت کے ارتکاب کے علاوہ کتنے مفاسد اور گناہوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ممانعت کی دلیل

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں بلاشبہ مؤذنوں نے فرض نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح جمعہ کی نماز سے پہلے یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب کے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالباً نہیں پڑھتے (اب مغرب میں بھی زور شور سے پڑھا جاتا ہے) اور

اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ابن ایوب کے دور میں اس کے حکم سے مصر اور اس کے قلمرو میں ہوئی اور اس کی ابتدا یہ تھی کہ جب حاکم مخذول قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے حق میں یوں سلام کہیں:

"السلام علی الامام الطاھر"

پھر اس کے بعد اور حکمرانوں پر بھی سلام ہوتا رہا یہاں تک کہ صلاح الدین نے اس کو ختم کر دیا اور اس کے عوض میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام جاری کیا۔ اس کا یہ فعل کیسا اچھا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو جزائے خیر[1] عطا فرمائے اور ہمارے مشائخ اور اس طرح دوسرے بزرگوں سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان کے بعد اس کیفیت سے جس طرح اب آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ نفس درود شریف تو سنت ہے مگر اس کیفیت سے پڑھنا بدعت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے جیسا کہ میں نے احادیث سے اس کو ثابت کر دیا ہے۔

فتاویٰ کبریٰ ص $\frac{131}{ج 1}$

دیکھئے مذکورہ بالا تحقیق سے اس کے بدعت ہونے کی نہ صرف ممانعت بلکہ فتویٰ کے ذریعہ اس کا ثبوت مل گیا کہ یہ بدعت ہے۔ اس کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ انعام کا نعرہ لگانے والے اپنی سخاوت کا اظہار ضرور کریں گے لیکن نہ ہمیں اس کی امید ہے نہ اس کے لیے یہ تحریر لکھی گئی ہے بلکہ صرف نیک نیتی اور عوام کے عقیدے کی درستگی کے لیے باحوالہ اس کی بحث عرض کر دی ہے تاکہ سادہ لوح لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم ہو جائے کہ محبت و عشق کے درپردہ گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور سلفؒ سے منسلک رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ جملہ سے مُراد یہ ہے کہ اس نے فساق فجار حکام پر سلام کو بند کرا دیا تھا تسلیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عبدالشکور

بقیہ : درس القرآن

کے فقدان کی وجہ سے۔ تھکان کی مدہوشی آرام کے بعد اُتر جاتی ہے لیکن روحانیت کے فقدان کی وجہ سے بے ہوشی دن بدن بڑھتی جاتی ہے بغیر اللہ کی مار کے نہیں اُترتی۔ جب اللہ تعالیٰ خوش حال کرتا ہے تو انسان طغیانی و سرکشی میں پھنس کر مدہوش ہو جاتا ہے اور جب اچانک خوشحالی سلب کر لیتا ہے تو ہوش آتا ہے۔ جن بدنصیبوں نے کبھی قرآن کی آواز نہیں سُنی اور نہ کسی ہادی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان کو سمجھا کر دیکھئے کیا کہتے ہیں؟ سنتے ہی نہیں۔ اپنی رسم و رواج کے پورے پابند ہوتے ہیں۔ شریعت کی اتباع کی تلقین پر کہتے ہیں ہم تو باپ دادوں کی پوری رسم ادا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ وارننگ کے طور پر ایک دو جھٹکے ضرور دیتے ہیں تاکہ مدہوشی سے اٹھ جائیں لیکن اگر پھر بھی نہیں ہوش آتی تو اپنی رسی کچھ اور ڈھیلی کر دیتے ہیں اور اتمام حجت ہو جانے کے بعد اچانک بیڑا غرق کر کے مقام عبرت بنا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔

اگر اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں تو اس کا فضل سمجھئے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مالک اور اپنے آپ کو امین سمجھئے۔ یہ ہرگز نہ خیال کیجئے کہ یہ میری دولت ہے میری کمائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ رزق کی کشادگی اور تنگی ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے شر سے بچائے رکھے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

ماں باپ کی عزت کرو
تاکہ
اولاد تمہاری عزت کرے

امام الاولیاء قطب الاقطاب شیخ التفسیر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا

- قرآن پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطاعت سے اور مخلوقِ خدا کو خدمت سے راضی رکھو۔
- جو قرآن مجید کا اتباع نہیں کرتے وہ آخرت کے لحاظ سے نپٹ اندھے ہیں۔
- ماں باپ کو ستانے والوں کو نہ نماز نہ روزہ نہ زکوٰۃ اور نہ ہی ڈبل حج بچائے گا، اِس لیے میں اُن کے لیے جہنم کا فتویٰ دیتا ہوں۔
- میں تعلیم کا مخالف نہیں ہوں لیکن جدید تعلیم خدا رسیدہ ہونے کا ذریعہ نہیں ہے۔ ڈگریاں روٹی کمانے کا ذریعہ ضرور ہیں، ذریعۂ نجات نہیں ہیں۔ تعلیم جدید قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے۔
- اگر اللہ کو منظور ہُوا تو تھوڑا رزق بھی بہت بن جاتا ہے۔ اگر برکت نہ ہو تو رزق کے بنبات بھتے ہوئے ہائے ہائے نہیں جاتی اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے۔
- طبیعتوں پر قابو رکھو اور صبر کی عادت ڈالو۔
- خدا کو یاد رکھو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ اپنے معاملات درست کرو۔
- فقط کتے اور سُور ہی حرام نہیں ہوتے بلکہ دودھ، گوشت اور نمک بھی حرام ہو سکتا ہے۔
- ہاں کان کھول کر سُن لو اسلامی تعلیم ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ نماز، اذان اور مسجد سے ربط پیدا کرو۔ جو اللہ کے گھر میں آئے گا وہ خالی نہیں جائے گا۔ جو نہیں آئے گا اس کو بُلا کر بھی نہیں دیا جائے گا۔
- بعض آدمیوں کو بولنے کی مشق ہوتی ہے حالانکہ وہ کتاب و سنت کے عالم نہیں ہوتے۔ وہ بن پڑھے پڑھ کر الیا وعظ کرتے ہیں کہ اکثر عالم بھی نہیں کر سکتے۔ وہ کھوٹے عالم ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر روپیہ کمانا ہوتا ہے لوگوں کی ہدایت مقصود نہیں۔
- اللہ والے اہلِ دنیا میں تو رہتے ہیں مگر دنیا سے تعلق نہیں ہوتا۔ تعلق باللہ کامل ہوتا ہے۔ خدا کے سوا ہر چیز سے نگاہ اٹھا لیتے ہیں۔ رگ رگ میں یادِ خدا ہوتی ہے۔
- موتی ملیں ارزاں مگر اللہ والے ملیں گراں۔ موتی تو کافروں کے گھروں میں بھی ہوتے ہیں۔
- لاہور میں اگر ایک لاکھ میں ایک بھی اللہ والا ہوتا تو چودہ لاکھ کی آبادی میں چودہ اللہ والے لاہور میں ہوتے تو لاہور روشن ہو جاتا۔ یہاں نہ شرک رہتا نہ بدعت ہوتی۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی ہوتی۔

انتخاب
صدیق احمد قادری